کریم الدین صنعتؔ مرادآبادی: احوال و آثار

رفاقت علی شاہد*

صنعتؔ کے حالاتِ زندگی بہت کم دست یاب ہیں، اتنے کم کہ ان کی مدد سے اُن کی زندگی کا محض دھندلا سا خاکہ ہی مرتب کیا جا سکتا ہے۔ صنعتؔ کے معاصر اور متاخر تذکرہ نگاروں نے اُن کے حالات لکھنے میں خاص سعی نہیں کی۔ صنعتؔ نے شاعری میں قدرت اللہ شوقؔ کی شاگردی اختیار کی لیکن حیرت ہے کہ شوقؔ کے تذکرے طبقات الشّعرا میں بھی صنعتؔ کے حالات موجود نہیں۔

صنعتؔ کے نام ''کریم الدین'' اور تخلص صنعتؔ پر سب تذکرہ نگار متفق ہیں۔ سعادت خان ناصر[۱] اور امیر مینائی[۲] نے، جب کہ ان کی تقلید میں نثار احمد فاروقی[۳] نے بھی کریم الدین کو ''شیخ'' لکھا ہے۔ امیرؔ مینائی نے ان کے والد کا نام ''شیخ نھو'' لکھا ہے۔[۴] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صنعتؔ کا تعلق شیخ برادری سے تھا۔

تذکرہ نگاروں نے صنعتؔ کو مرادآبادی لکھا ہے، گویا اُن کا وطن مرادآباد کا مردم خیز خطہ تھا۔ ناصرؔ انھیں رام پوری بتاتے ہیں۔[۵] امیر مینائی کے بیان سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اُنھوں نے صنعتؔ کے وطن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اپنے تذکرے کے دیباچے میں وہ یہ وضاحت کرتے ہیں:

> جو شاعر خاص دارالریاست کے متوطن ہیں تو اس لحاظ سے کہ یہ تذکرہ موضوع اُنھیں کے ذکر کے واسطے ہوا ہے، اُن کی سکونت کی طرف اشارہ نہیں اور جو مضافاتِ دارالریاست کے رہنے والے ہیں یا ساکنِ دہلی و لکھنو، وغیرہ ممالکِ غیر ہیں اور بہ سبب نوکری و وظیفہ خواری کے اُن کا ذکر درجِ تذکرہ ہے، اُن کے مقاماتِ سکونت کا نام لکھ دیا ہے[۶]۔

امیر مینائی کے اس بیان کی روشنی میں اُن کا صنعتؔ کی جائے سکونت نہ لکھنا ظاہر کرتا ہے کہ صنعتؔ کا قیام رام پور ہی میں تھا۔ ممکن ہے کہ ریاست رام پور سے تعلق ہونے کی وجہ سے اُنھوں نے مرادآباد میں آبائی رہائش گاہ کو خیرآباد کہہ دیا ہو اور اپنی سکونت مستقل طور پر رام پور ہی میں اختیار کر لی ہو۔

* شعبۂ اردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور

جمے جے متر ارمانؔ لکھتے ہیں کہ ''دہلی میں سکونت اختیار کی تھی۔''[۷] ظاہر ہے کہ یہ بھی درست نہیں۔ ارمانؔ نے اس فقرے سمیت صنعتؔ کے حالات میں محض تین فقرے لکھے ہیں اور تینوں شیفتہؔ سے نقل کر لیے ہیں۔ شیفتہؔ نے لکھا تھا کہ صنعتؔ متعدد بار دہلی آئے لیکن میری ان سے ملاقات نہیں ہو سکی، ارمانؔ اس فارسی عبارت کا مطلب نہ سمجھ سکے اور یہ باور کر لیا کہ شیفتہؔ نے صنعتؔ کے دہلی میں رہائش پذیر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اسی غلط فہمی میں اُنھوں نے صنعتؔ کی دہلی میں سکونت کی بے بنیاد بات لکھ دی۔

صنعتؔ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی واضح شہادت موجود نہیں۔ امیر مینائی نے صنعتؔ کی وفات کے ذکر میں ایک ایسا اشارہ دیا ہے جس سے ان کا سالِ ولادت قیاسی طور پر متعین کیا جا سکتا ہے۔ امیر مینائی کا بیان ہے کہ ''پچھتر برس کی عمر تھی کہ تیسری محرم کو بارہ سو پینسٹھ ہجری میں انتقال کیا۔''[۸]

اس سے معلوم ہوا کہ صنعتؔ کا انتقال ۳ محرم ۱۲۶۵ھ/ مطابق ۲۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو ہوا۔ اصولاً محرم کے تین دن ایک سال کے برابر شمار نہیں کیے جا سکتے، اس لیے ۱۲۶۵ھ کے بجائے ۱۲۶۴ھ سے حساب لگانے سے اندازہ ہوا کہ (۱۲۶۴-۷۵=) ۱۱۸۹ھ میں صنعتؔ کی پیدائش ہوئی ہوگی۔ اس سال کو صنعتؔ کا سال پیدائش تسلیم کرنے میں ایک مشکل تو یہ ہے کہ امیر مینائی نے صنعتؔ کا سالِ وفات غلط لکھا ہے۔ کلیاتِ صنعتؔ میں صنعتؔ کی وفات پر امیر اللہ تسلیمؔ کے کہے ہوئے دو قطعاتِ تاریخ موجود ہیں جن سے ۱۲۶۳ھ کا سنہ برآمد ہوتا ہے۔[۹] اس حساب سے صنعتؔ کا سالِ ولادت امیر مینائی کے حساب سے دو سال کم، یعنی ۱۱۸۷ھ (مطابق ۷۴-۱۷۷۳ء) بنتا ہے، لیکن بعض شواہد کی روشنی میں یہ سنہ بھی حتمی نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

صنعتؔ کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی مشاغل کے بارے میں بھی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ تذکرہ نگاروں کے بیانات سے اس سلسلے میں کچھ اندازے کیے جا سکتے ہیں۔ شیفتہؔ[۱۰] اور امیر مینائی[۱۱] نے صنعتؔ کو عابد و پرہیز گار بتایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی ابتدائی تعلیم اور پرورش دینی ماحول میں ہوئی ہوگی اور اُن کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی گئی ہوگی۔ صنعتؔ شاعر تھے اور ایک کُلّیات ان کے شعری کارنامے کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر گوئی کا ذوق بھی ان میں شروع عمر سے ہوگا جو اُن کی عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ روز افزوں ہوتا رہا۔ کُلّیاتِ صنعتؔ کے 'خاتمۃ الطبع' میں تحریر ہے:

> یہ مصنف بڑے صاحبِ کمال تھے، خصوصاً فنِ سیاق[۱۲] میں ان کا نظیر نہ تھا۔ شہر مرادآباد وغیرہ کے اکثر لوگ ان کے فیض سے بہرہ یاب رہے[۱۳]۔

گویا دیگر علوم کے ساتھ صنعتؔ نے فنِ سیاق بھی تحصیل کیا تھا اور اس میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ دوسروں کو اپنے علم سے فیض یاب بھی کر سکیں۔ انجمنِ ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی کے کتب خانۂ خاص میں صنعتؔ کے فنِ سیاق میں ایک

منظوم رسالے کا قلمی نسخہ موجود ہے۔[14] اس سے بھی فنِ سیاق اور شاعری میں ان کی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

بیش تر تذکرہ نگاروں نے صنعتؔ کو زرگری میں اُستاد تحریر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زرگری اُن کا آبائی پیشہ تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ یقینی ہے کہ دیگر علوم کے ساتھ بچپن ہی سے اُنھیں زرگری کی تعلیم اور تربیت بھی دی گئی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ آبائی پیشہ ہونے کی صورت میں یہ تربیت ان کے والد نے اُنھیں دی ہوگی۔

کُلّیاتِ صنعتؔ کے 'خاتمۃ الطبع'[15] میں اور غالباً یہیں سے نقل کرکے افسر صدیقی امروہوی[16] نے لکھا ہے کہ صنعتؔ ایک عرصے تک والیِ ریاست رام پور نواب فیض اللہ خان کے جلیس رہے۔ دونوں جگہ اس کی تفصیل نہیں لکھی گئی۔ ریاست رام پور کی مفصل و مستند تاریخ اخبار الصنادید میں بھی اس اَمر کی کوئی تفصیل درج نہیں، بل کہ اس میں اس امر کا کہیں ذکر تک موجود نہیں۔ اس کی فطری وجہ تو یہی ہوسکتی ہے کہ نجم الغنی رام پوری جب رام پور کی تاریخ لکھ رہے تھے تو نواب سید فیض اللہ خان کا دور گزرے کم و بیش ایک صدی گزر چکی تھی۔ ایسے میں کس طرح اور کیسے نواب سید فیض اللہ خان کے دور کی تفصیلات سے آگاہ ہوا جاسکتا تھا۔

تاہم، کچھ دیگر تفصیلات سے اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صنعتؔ کے نواب سید فیض اللہ خان سے تعلق کی نوعیت کیا ہوگی۔ نواب سید فیض اللہ خان کی اولاد کے ذکر میں ان کے ایک فرزند سے متعلق نجم الغنی خان لکھتے ہیں:

> نواب سید غلام محمد خان کو علمِ حساب میں خوب دست گاہ تھی خلاصۃ الحساب تمام حفظ تھی اور اس کے جملہ اعمال پر قدرت تھی[17]۔

یہی مصنف ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> دیوان منولال دہلوی نے اپنی کتابِ جغرافیہ میں، جس کا نام مساکن فلسفی ہے، لکھا ہے کہ نواب فیض اللہ خان کی سرکار میں پانچ سو علما کو وظیفے ملتے تھے جو طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ اس زمانے میں علم کو بڑی رونق تھی، چناں چہ رام پور ''بخارائے ہندی'' کہلاتا تھا[18]۔

صنعتؔ کے حالات پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فنِ سیاق یعنی حساب میں یدِ طُولا رکھتے تھے اور اُنھیں نواب فیض اللہ خاں کا جلیس بھی لکھا گیا ہے۔ دوسری طرف نواب سید فیض اللہ خان کے فرزند نواب سید غلام محمد خان کو بھی فنِ حساب میں خوب دست گاہ تھی۔ صنعتؔ کے ریاست رام پور سے تعلق کے پیشِ نظر یہ عین ممکن ہے کہ نواب غلام محمد خان کو فنِ حساب یا علمِ حساب کی تعلیم و تربیت کریم الدین صنعتؔ ہی نے دی ہو اور نواب فیض اللہ خان اور صنعتؔ میں یہی شناسائی اور قدر دانی کا رشتہ ہو۔ دیوان منولال نے نواب فیض اللہ خان کی سرکار سے جن پانچ سو علما کو وظیفے ملنے کی اطلاع دی ہے، ہوسکتا ہے کہ ان میں صنعتؔ بھی شامل ہوں جو شہزادہ نواب غلام محمد خان کو حساب کی تعلیم دینے کے عوض ریاست رام پور سے وظیفہ پاتے ہوں۔ صنعتؔ اگر شہزادے کی تعلیم پر مقرر تھے اور وہ شاعر بھی تھے، ان حوالوں سے انھیں نواب

فیض اللہ خان کا قرب حاصل ہو گیا ہوگا جسے جلیسی کہا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اَمر کافی اہمیت کا حامل ہے جس سے صنعتؔ کی عُمر کے تخمینے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے معاملے میں امیر مینائی تحریر کرتے ہیں:

> جناب نواب محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر عرش منزل ... نے ... پنج شنبہ کے دن ذی الحجہ کی اٹھارویں (۱۸) تاریخ بارہ سو آٹھ (۱۲۰۸) ہجری میں کہ سترھویں (۱۷) جولائی سترہ سو چورانوے (۱۷۹۴) عیسوی مطابق تھی، باسٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر صدرِ حکومت سے ہاتھ اٹھایا، علیین میں تشریف فرما ہو کر تخت گاہِ فردوس پر جلوس فرمایا[19]۔

اخبار الصنادید میں نجم الغنی رام پوری نے بھی نواب فیض اللہ خاں کی یہی تاریخِ وفات درج کی ہے، لیکن اُنھوں نے نواب صاحب کی عمر وضاحت کے ساتھ تحریر کر دی ہے۔ لکھتے ہیں:

> نواب سید فیض اللہ خاں سنہ ۱۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے...... پنج شنبہ کے دن ذی حجہ کی سترھویں تاریخ بارہ سو آٹھ ہجری میں تریسٹھ برس، سات مہینے، پانچ دن کی عمر پا کر عالمِ قدس کی راہ لی۔ معظمؔ نے دو جوڑہ کے جنگ نامے میں کہا ہے:
>
> سترھویں تھی تاریخ ذی حجہ کی　　تھا پنج شنبہ جو رحلت ہوئی
>
> تریسٹھ برس، پانچ دن، سات مہ　　ہوئی عمر از رُوے سال گرہ"[20]

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوا کہ والیِ رام پور نواب سیّد فیض اللہ خاں کی وفات ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۰۸ھ (مطابق ۱۶ جولائی ۱۷۹۴ء) کے روز ہوئی اور وفات کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس، سات ماہ سے زائد تھی۔ اب شیخ کریم الدین صنعتؔ کی تاریخ یا سالِ پیدائش دیکھیے جو امیر مینائی کے بیان کے مطابق ۱۱۸۷ھ (مطابق ۷۴-۱۷۷۳ء) بنتا ہے۔ گویا نواب سید فیض اللہ خاں کی وفات کے وقت صنعتؔ کی عمر محض ۲۱ سال تھی۔ کلّیاتِ صنعتؔ کے 'خاتمۃ الطبع' میں جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ صنعتؔ ایک عرصے تک نواب رام پور فیض اللہ خاں کے جلیس رہے، اگر اس ''ایک عرصے'' کی مدت چھے سال بھی فرض کر لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صنعتؔ پندرہ سال کی عمر سے لے کر اکیس سال کی عمر تک نواب فیض اللہ خاں کے جلیس رہے، جب کہ اس وقت خود نواب صاحب کی عمر ۵۹ سے ۶۳ سال تھی۔ اس صورتِ حال کو تسلیم کرنے میں متعدد اوامر مانع ہیں۔

اوّل تو جانبین (صنعتؔ اور نواب فیض اللہ خاں) کی عمروں میں کم و بیش بیالیس (۴۲) سال کا بُعد ہے جس کی موجودگی میں یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ صنعتؔ نواب رام پور کے جلیس رہے ہوں گے۔ دوسرے، نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے وقت صنعتؔ کی عمر اس قدر کم تھی کہ اس عمر میں کسی کا علم و فضل کے ایسے رُتبے پر فائز ہونا تقریباً ناممکن ہے کہ

وہ رام پور جیسی ریاست کے والی کے جلیس بن گئے ہوں۔ اس کے لیے یہ جواز دیا جا سکتا ہے کہ صنعتؔ غیر معمولی طور پر ذہین اور منفرد صلاحیتوں کے مالک ہوں گے، اسی لیے اُن کی انھی خوبیوں کی وجہ سے نواب رام پور نے اُنھیں اپنا جلیس بنانا پسند کیا ہوگا، لیکن مشکل یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کی ایسی کسی خوبی کی جانب اشارہ تک نہیں کیا۔

تیسرے، قبل ازیں ایک امکان پیش کیا جا چکا ہے کہ نواب فیض اللہ خاں کے فرزند نواب سید غلام محمد خاں کو علمِ حساب کی تعلیم صنعتؔ نے دی ہوگی اور اُن کے اور نواب رام پور کے مابین قربت کی وجہ یہی ہوگی۔ اس قیاس یا امکان کو بھی زیادہ تقویت اس لیے نہیں پہنچتی کہ نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے وقت صنعتؔ محض اکیس سال کے تھے اور ظاہر ہے کہ نواب غلام محمد خاں کی تعلیمِ سیاق کا سلسلہ اس سے کچھ عرصہ قبل شروع ہوا ہوگا، گویا سترہ یا اٹھارہ یا انیس یا بیس سال کی عمر میں۔ اتنی کم عمری میں صنعتؔ کا رام پور جیسی ریاست کے شہزادے کا اتالیق بن جانا ایک غیر معمولی اِمر ہے جس کا ذکر تذکرہ نگا ضرور کرتے، اَور نہ سہی امیر مینائی (''انتخابِ یادگار'') اور احمد علی خاں شوقؔ رام پوری (''تذکرۂ کاملانِ رام پور'') تو اس کا تذکرہ ضرور کرتے کہ ان دونوں کے تذکرے کا موضوع ہی رام پور اور اہلِ رام پور ہے۔

اس ساری بحث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صنعتؔ کا اٹھارہ سے بیس سال کی عمر میں ریاست رام پور یا اُس کے والی سے جلیسی یا کسی اَور طرح کا رشتہ و واسطہ پیدا ہونا بہت مشکل، بل کہ تقریباً ناممکن ہے۔ اب کُلّیاتِ صنعتؔ کے 'خاتمۃ الطبع' میں صنعتؔ کے نواب سید فیض اللہ خاں کے جلیس ہونے کی جو بات لکھی گئی ہے، اگر اُس میں کچھ بھی حقیقت ہے تو مندرجہ بالا شواہد اور بحث کی روشنی میں اس کی توجیہ دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

اوّل تو یہ کہ امیر مینائی نے صنعتؔ کی عمر صحیح نہیں لکھی۔ صنعتؔ کی وفات ۱۲۶۳ھ (مطابق دسمبر ۱۸۴۶ء) میں ہوئی، جب کہ امیر مینائی نے اپنا تذکرہ انتخابِ یادگار ۱۲۹۰ھ (مطابق ۱۸۷۳-۷۴ء) میں تیار کیا،[۲۱] گویا صنعتؔ کی وفات کے کم و بیش ستائیس سال بعد۔ اس کا امکان بھی بہت کم ہے کہ امیر مینائی نے صنعتؔ کو بہ چشمِ خود دیکھا ہو، کیوں کہ امیر مینائی کا توسّل ریاست رام پور سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا اور تب تک صنعتؔ کو فوت ہوئے چودہ پندرہ برس بیت چکے تھے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امیر مینائی کے صنعتؔ سے براہِ راست ملنے یا صنعتؔ کے بارے میں براہِ راست معلومات حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ صنعتؔ کے متعلق معلومات اُنھیں لازماً بالواسطہ ذریعے سے حاصل ہوئی ہوں گی۔ وہ بالواسطہ ذریعہ کیا تھا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس نے بھی امیر مینائی کو صنعتؔ کے بارے میں معلومات دی ہوں گی، اُس نے صنعتؔ کی ظاہری ہیئت سے اُن کی عمر کا اندازہ کیا ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ عین ممکن ہے کہ اُس وقت اپنی اچھی صحت کی وجہ سے صنعتؔ اپنی عمر سے دس سال چھوٹے نظر آتے ہوں۔ یاد رہے کہ صنعتؔ کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور شب زندہ دار قسم کے عابد و زاہد تھے اور کھاتے پیتے گھرانوں کے افراد کی صحت عموماً اچھی ہوتی تھی اور وہ اپنی عُمر سے چھوٹے ہی نظر آتے تھے، چناں چہ یہ عین ممکن ہے کہ

وفات کے وقت صنعتؔ کی عمر پچھتر کے بجائے اسّی یا اس سے زیادہ سال کی ہو۔ ایسی صورت میں نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے وقت صنعتؔ اکیس سال سے زیادہ کے، چھبیس یا اس سے زیادہ عمر کے ہوں گے۔ ریاست رام پور کے ولی عہد کے اتالیق ہونے کے لیے چھبیس سال کی عمر قرینِ قیاس ہے۔ اگر صنعتؔ کی عمر دس سال زیادہ قیاس کی جائے تو نتائج اس سے بھی بہتر نکلتے ہیں۔

کُلّیاتِ صنعتؔ کے 'خاتمۃ الطبع' کے بیان کی دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہاں والیِ ریاست کا نام درست درج نہ ہوا ہو۔ ممکن ہے کہ سہو سے وہاں نواب غلام محمد خاں کی جگہ اُن کے والد نواب فیض اللہ خاں کا نام درج ہو گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عبارت لکھوانے والے کو نام یا والیِ ریاست رام پور کی شخصیت سے پوری طرح آگاہی حاصل نہ رہی ہو، اس لیے اُس نے اُن والیِ ریاست رام پور کا نام غلط لکھوا دیا ہو صنعتؔ جن کے جلیس رہے۔ نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے وقت صنعتؔ کی عمر اکیس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی، جب کہ اُن کے بیٹے نواب غلام محمد خاں کا دورِ حکومت صنعتؔ کی جوانی اور پھر ادھیڑ عمر کا دور ہے۔ اس دور میں ان کا نواب رام پور کا جلیس بننا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں بھی کہ ایک اندازے کے مطابق وہ نواب سید غلام محمد خاں کو علمِ حساب کی تعلیم بھی دے چکے تھے، گویا صنعتؔ اُن کے استاد رہے ہوں گے۔ ایسی صورت میں نواب غلام محمد خاں نے اپنے اُستاد کے ساتھ کیا کیا حسنِ سلوک نہ کیا ہوگا۔

ان شواہد، اندازوں اور بحث کی روشنی میں یہ باور کرنا آسان ہو گیا ہے کہ یا تو صنعتؔ کی عمر کم و بیش دس سال زیادہ تھی اور نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے وقت وہ اکیس (۲۱) نہیں اکتیس (۳۱) سال کے لگ بھگ تھے، یا پھر وہ نواب فیض اللہ خاں کے نہیں، بل کہ اُن کے فرزند نواب سید غلام محمد خاں کے جلیس رہے جن کے وہ ممکنہ طور پر اُستاد بھی تھے۔

اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا پہلی صورت میں صنعتؔ کی پیدائش کا سال بھی تبدیل کرنا پڑے گا۔ عمر میں دس سال کا اضافہ قیاس کرنے سے اُن کا سالِ پیدائش ۱۱۸۷ھ (۷۴-۱۷۷۳ء) کے بجائے ۱۱۷۷ھ (۶۴-۱۱۶۳ء) ہونا چاہیے۔

اب ذرا صنعتؔ کے نواب فیض اللہ خاں کے جلیس ہونے کے معاملے کا ایک اَور پہلو بھی دیکھتے چلیے۔ صنعتؔ کے نواب فیض اللہ خاں والیِ ریاست رام پور کے جلیس ہونے کی خبر یا اطلاع ہمیں صرف ایک ماخذ یعنی کُلّیاتِ صنعتؔ مطبوعہ کے 'خاتمۃ الطبع' سے ملتی ہے، باقی تمام مآخذ اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ کُلّیاتِ صنعتؔ کے 'خاتمۃ الطبع' میں یہ معلومات اغلب ہے کہ صنعتؔ کے کسی عزیز یا قریبی شخص نے دی ہوں گی لیکن کُلّیات کے 'خاتمۃ الطبع' میں اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ ریاست رام پور کی تاریخ اخبار الصنادید میں کہیں بھی نواب فیض اللہ خاں کے جلیسوں یا درباری مصاحبوں کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی طرح مشاہیرِ رام پور کا اہم تذکرہ تذکرۂ کاملانِ رام پور بھی صنعتؔ کے ذکر سے

خالی ہے۔ یاد رہے کہ ہم یہ قیاس کر آئے ہیں کہ صنعتؔ علمِ حساب میں ولی عہدِ ریاست نواب غلام محمد خاں کے اتالیق ہوں گے۔ علمِ سیاق یا حساب میں صنعتؔ کے کمالِ علم کا ذکر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ ان سب حوالوں کے پیشِ نظر تذکرۂ کاملانِ رام پور میں صنعتؔ کا ذکر کم سے کم ایک عالم کے طور پر تو درج ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں اس سے یہ نتیجہ نکال رہا ہوں کہ صنعتؔ یا تو ریاست رام پور سے اتنے کم عرصے کے لیے وابستہ رہے کہ اس کا ذکر کرنا تذکرہ نگاروں اور تاریخ دانوں نے اہم نہیں سمجھا۔ ممکن ہے یہ عرصہ محض نواب سید غلام محمد خاں کی اتالیقی تک محدود رہا ہو، یا پھر اُن کا کمالِ علم اتنا نہیں تھا کہ تذکرۂ کاملانِ رام پور میں ہی جگہ بنا سکتا۔ گویا ریاست رام پور سے صنعتؔ کا تعلق اتنا اہم نہ تھا کہ رام پوری علما و مشاہیر کے اہم تذکروں میں اُنھیں جگہ نہ دی جا سکے۔

اس اَمر کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ امیر مینائی نے بھی صنعتؔ کا ذکر بہت مختصر کیا ہے اور اُن کے ذکر میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی جس سے صنعتؔ کے ریاست رام پور سے کسی خاص یا عام تعلّق کی وضاحت ہو سکے۔ یہ تو باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک عرصہ گزر جانے کی وجہ سے یہ معلوم ہونا مشکل تھا کہ صنعتؔ کبھی نواب سید غلام محمد خاں کے اتالیق بھی رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ولی عہد ریاست کے اتالیق ایک سے زیادہ ہوں گے اور باقی اتالیق اہم علوم فنون کے ہوں گے، اس لیے اُن کے مقابلے میں صنعتؔ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوگی۔ جب تواریخ اور تذکروں میں نواب غلام محمد خاں کے اہم ترین اتالیقوں کا ذکر نہیں ملتا تو بے چارے صنعتؔ کس شمار و قطار میں تھے کہ اُن کا ذکر کیا جاتا لیکن نواب فیض اللہ خاں والیِ ریاست رام پور کا جلیس ہونا ایسی بات نہ تھی جس کے بارے میں امیرؔ مینائی کو بالواسطہ معلومات نہ مل سکتیں۔ اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ صنعتؔ کا ریاست رام پور سے جو بھی تعلّق تھا، وہ اتنا طویل اور اہم نہیں تھا کہ تذکرہ نگار اُس کا ذکر کرتے یا کم سے کم شعراے رام پور کے تذکرہ نگار امیر مینائی اور مشاہیرِ رام پور کے تذکرہ نگار احمد علی خاں شوقؔ رام پوری اس کا ذکر ضرور کرتے۔

کُلّیاتِ صنعتؔ میں ایک مثنوی بھی شامل ہے جو سنہ ۱۲۳۷ھ (مطابق ۲۲-۱۸۲۱ء) میں مکمل ہوئی۔ اس میں کہیں بھی صنعتؔ نے دربارِ رام پور سے اپنے تعلّق کی وضاحت نہیں کی، بل کہ حیران کن طور پر اس میں ریاست رام پور سے اپنے تعلّق کے حوالے سے کچھ بھی نظم نہیں کیا۔ قدیم دور میں یہ عام روش تھی کہ شعرا مثنوی میں اپنے ممدوحین کا ذکر اچھے الفاظ میں کر کے اُنھیں خراجِ تحسین پیش کرتے تھے۔ صنعتؔ کی اس مثنوی میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یاد رہے کہ صنعتؔ نے یہ مثنوی نواب فیض اللہ خاں کی وفات (۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۴ء) کے کم و بیش ۲۹، ۳۰ سال بعد کہی۔ نواب رام پور سے اگر ان کا قریبی تعلّق ہوتا اور وہ اُن کے جلیس رہے ہوتے تو ناممکن تھا کہ وہ اپنی مثنوی میں اس کا بالکل ذکر نہ کرتے۔ اس کے علاوہ رواجِ زمانہ کے مطابق وہ کسی تاریخی قطعے یا نظم کی دیگر مروّجہ اصناف میں سے کسی میں والیِ ریاست رام پور یا ریاست رام پور سے اپنے تعلّق کا اظہار ضرور کرتے۔ ایسی کسی منظومات کی غیر موجودگی بھی اس اَمر کو تقویت پہنچاتی ہے کہ صنعتؔ کا ریاست رام پور سے جو بھی تعلّق تھا، وہ بہت زیادہ اہم نہیں تھا۔

مصطفی خاں شیفتہؔ نے صنعتؔ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ''بارہا بہ دہلی آمدہ، امافقیرش نہ دیدہ ام۔''[۲۲] اس سے معلوم ہوا کہ صنعتؔ نے دہلی کے کئی سفر کیے تھے۔ یہ تو واضح نہیں کہ صنعتؔ کے ان اسفار کی نوعیت کیا تھی لیکن شیفتہؔ نے جو یہ لکھا ہے کہ صنعتؔ کئی بار دہلی آئے لیکن اُن سے ملاقات نہیں ہوسکی تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صنعتؔ کے یہ سفر علمی وادبی مقصد کے تحت نہیں ہوں گے، ورنہ کوئی ایسی وجہ نہ تھی کہ صنعتؔ دہلی میں ادبی وعلمی مقصد کے لیے آئیں اور اس کی خبر شیفتہؔ کو ہوتو جائے لیکن اُن سے صنعتؔ کی کبھی کوئی ملاقات نہ ہوسکے۔ یادرہے کہ اُس وقت دہلی میں شیفتہؔ کی ذات اور اُن کی حویلی ادبی تقریبات کا مرکز تھی۔ شیفتہؔ کے مکان پر باقاعدہ اور تسلسل کے ساتھ مشاعرے ہوتے تھے جن میں دہلی اور بیرونِ دہلی کے شعرا اور صاحبانِ ذوق شرکت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اُن کی حویلی میں ہر روز اہلِ علم کا جمگھٹا رہتا تھا، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ صنعتؔ ادبی یا علمی سلسلے میں ''بارہا'' دہلی آئے ہوں اور شیفتہؔ کے ہاں ایک بار بھی نہ گئے ہوں یا کسی اور ادبی تقریب میں اُن کی ملاقات شیفتہؔ سے نہ ہوئی ہو۔ لگتا ہے کہ صنعتؔ کے دہلی کے سفر خالصتاً ذاتی نوعیت کے یا پھر کاروباری نوعیت کے ہوں گے۔ صنعتؔ زرگری میں استاد تھے، ممکن ہے یہی اُن کا ذریعۂ معاش اور کاروبار ہو اور اسی سلسلے میں ان کا دہلی میں بھی آنا جانا لگا رہتا ہو۔

کریم الدین نے بھی اپنے تذکرے میں اسی طرح کی بات لکھی ہے۔ کہتے ہیں:

''کئی دفعہ دہلی میں بھی آیا، میری ملاقات نہیں ہوئی[۲۳]۔'' کریم الدین کی یہ عبارت بہ ظاہر شیفتہؔ کی عبارت کا لفظی ترجمہ لگتی ہے مگر ہم جانتے ہیں کہ دہلی میں کریم الدین کے مکان پر بھی اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے اور ان میں بیرونِ دہلی کے شعرا بھی شرکت کرتے تھے۔ ممکن ہے کریم الدین نے اسی تناظر میں یہ بات لکھی ہو۔

جنمے جے متر ارمانؔ نے شیفتہؔ کی عبارت سے عجیب مطلب نکالا ہے۔ وہ اپنے تذکرے ''نسخۂ دل کشا'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''دلّی میں سکونت اختیار کی تھی[۲۴]۔'' دست یاب شواہد کی روشنی میں ارمانؔ کا یہ بیان حقیقت کے مطابق نہیں۔ لگتا ہے کہ اُنھوں نے شیفتہؔ کی عبارت کو سمجھے بغیر اُس کا ترجمہ مذکورہ الفاظ میں کر دیا ہے۔ یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ صنعتؔ کے بارے میں اُن کے مختصر بیان کا مآخذ شیفتہؔ کا تذکرہ ہے۔

صرف امیر مینائی نے صنعتؔ کی تاریخِ وفات لکھنے کا التزام کیا ہے یا پھر کُلّیاتِ صنعتؔ میں اُن کی وفات کے دو قطعات شامل ہیں جن سے صنعتؔ کی وفات کا سنہ برآمد ہوتا ہے۔ امیر مینائی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''پچہتر برس کی عمر تھی کہ تیسری محرم کو بارہ سو پینسٹھ ہجری میں انتقال کیا[۲۵]۔''

امیر مینائی کی تقلید میں نثار احمد فاروقی نے بھی صنعتؔ کی وفات کا یہی سال تحریر کیا ہے[۲۶]۔ وفاتِ صنعتؔ کی تاریخ ۳ محرم تو ہوسکتی ہے لیکن سالِ وفات درج کرنے میں امیر مینائی سے یقینی طور پر غلطی ہوئی ہے۔ معروف شاعر اور مطبع اَوَدھ اخبار (مطبع منشی نول کشور) کے قدیم ملازم منشی انوار حسین تسلیمؔ سہسوانی نے وفاتِ صنعتؔ کے دو قطعاتِ تاریخ نظم کیے

تھے جو ''کلّیاتِ صنعتؔ'' (مطبوعہ) کے آخر میں درج ہیں۔ ان دونوں قطعاتِ تاریخ سے ۱۲۶۳ کا عدد برآمد ہوتا ہے جو وفاتِ صنعتؔ کا درست سال ہے۔ مذکورہ قطعاتِ تاریخ اور ان سے متعلق عبارت ملاحظہ ہو:

> یہ بات غرائبات سے ہے کہ قبل وفات کے، دو ایک روز پہلے جناب کمالات انتساب منشی انوار حسین صاحب تسلیمؔ سے اپنی وفات کی تاریخ کی فرمائش کی، چناں چہ تسلیمؔ صاحب نے دو قطعہ فی البدیہہ کہہ کر پیش کیں [کذا]، پھر دو روز کے بعد انتقال فرمایا۔ یہ ایک تصرف باطنی حضرت مصنف کا تصور کیا جاوے، چناں چہ وہ دو قطعہ یہ ہیں:
>
> **قطعۂ تاریخِ وفات حضرت مصنّف** [کریم الدین صنعتؔ]
>
> طبع زادِ شاعرِ ذکی و فہیم منشی انوار حسین صاحب تسلیمؔ
>
> طرف خُلدِ بریں کے جب کہ صنعتؔ — سفر دارِ فنا سے کر گیا ہائے!
> صدا تھی سالِ ماتم میں فلک سے — 'کریم الدین صنعتؔ مر گیا وائے'!
> سنہ ۱۲۱۳ ہجری
>
> تاریخِ دیگر، طبع زاد ایضاً
>
> موئے جس دم کریم الدین صنعتؔ — <u>کوئی کرتا تھا ہے ہے اور کوئی وائے!</u>
> وہیں تسلیمؔ نے رُوئے بُکا سے — کہا: 'اوستاد خمسہ کا مُوا ہائے'
> ۲ — ۱۲۶۱ = سنہ ۱۲۶۳ ہجری''[27]

مذکورہ بالا دونوں قطعاتِ تاریخ سے ۱۲۶۳ھ کا سنہ برآمد ہوتا ہے۔ <u>اس سے واضح ہوتا ہے کہ صنعتؔ</u> کا انتقال ۱۲۶۳ھ (مطابق ۷-۱۸۴۶ء) میں ہوا۔ اگر امیر مینائی کی وفاتِ صنعتؔ کی تاریخ ۳/محرم صحیح تسلیم کر لی جائے (اور بہ ظاہر جس کے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی) تو صنعتؔ کی وفات کی صحیح تاریخ ۳ محرم ۱۲۶۳ھ (مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۴۶ء) معلوم ہوتی ہے۔ ۳ محرم کو وفاتِ صنعتؔ کی اطلاع امیر مینائی کو صنعتؔ کے خاندانی ذرائع یا پھر ریاست رام پور کے سرکاری ذرائع یا کسی انفرادی حوالے سے ملی ہوگی، کیوں کہ وفاتِ صنعت کے وقت امیر مینائی لکھنؤ میں تھے اور اُس وقت اُن کے رام پور میں آنے یا تذکرۂ انتخابِ یادگار لکھنے اور اس کے لیے مواد جمع کرنے یا صنعتؔ سے کسی بھی قسم کے تعلّق کا کوئی بھی ثبوت، بل کہ امکان تک موجود نہیں۔

(۲)

کریم الدین صنعتؔ کثیر التصانیف نہیں تھے۔ ایک شعری کُلّیات کے علاوہ اُن کی تصانیف میں سوائے ریاضی کے ایک دو رسائل کے کسی اَور تصنیف، تالیف یا ترتیب کا پتا نہیں چلتا۔ یہاں اُن کی معلوم تصانیف کی تفصیل لکھی جاتی ہے:

۱۔ رسالۂ علمِ ریاضی منظوم:

صنعتؔ کا یہ رسالہ غالباً غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، کراچی کے کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے۔ اس رسالے کی موجودگی کی اطلاع اور اس کے بارے میں معلومات کا واحد ذریعہ انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، کراچی کے اُردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست ہے۔ اس فہرست کی جلد سوم میں افسر صدّیقی امروہوی نے اس رسالے کے واحد معلومہ قلمی نسخے کا قدرے تفصیل سے تعارف کرایا ہے۔ اس تعارف کے ضروری اور متعلّقہ حصے یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

''رسالہ علمِ ریاضی منظوم: ۷۳/ ۴۔ سائز ۴۸/۱×۲۵/۱، صفحات ۹۷، سطور ۱۳، سنہ تصنیف ۱۲۳۸ھ۔

رسالہ علمِ ریاضی منظوم کے مصنف کا تخلص صنعتؔ ہے، جو اس نے اس بیت میں نظم کیا ہے:

یہ صنعتؔ تو ہے مخلصِ بے ریا — کہ کم مایہ اور خوشہ چیں آپ کا

اور سنہ تصنیف کا اظہار اس بیت میں کیا ہے:

جو ملہم سے پوچھا میں سالِ کتیب — کہا: مخزنِ کُلّیاتِ حسیب [28]

۱۲۳۸ھ

آخر میں پٹہ [کذا] قبولیت اور تمسک وغیرہ کے چند نمونے درج ہیں۔

...... یہ منظوم رسالہ اُدھر [رام پور، مرادآباد، وغیرہ] کے علاقے میں مدّت تک داخلِ نصاب رہ چکا ہے۔

خط نستعلیق ہے اور عنوانات سُرخ ہیں۔

آغاز:

کریمِ کریماں وہ عالی جناب — کہ جس کے کرم کا نہیں ہے حساب
اُسی نے کیا ہے زمیں کو بسیط — وہ تحقیق ہے 'کلّ شئی محیط'
لکھا ہو جو قسمت میں انسان کے — کسی علم سے وہ نہ بدلے گئے

اختتام:

اِسی طرح [29] دُو نے کو دُونا کیا — غرض جب کہ دُونے ہوئے آٹھ جا
جو کچھ آٹھویں جا عدد ہوں شمار — بتا دے گن کر اوس کو تو یار [کذا] [30]
یہی اِن حسابوں کا ہے کُلّیا — جو میں نے دیا صاف تُجھ کو بتا

اس کے بعد ۲+۴+۸+۱۶+۳۲+۶۴+۱۲۸=۲۵۶ ۱۰۲۴ ۵ ہے۔ ترقیمہ نہیں ہے''[31]۔

ب۔ رسالۂ سیاق:

''کُلّیاتِ صنعتؔ'' کے 'خاتمۃ الطبع' میں درج ہے کہ ''ایک رسالہ اُن کا سیاق میں نہایت مفید لائق درسِ مدارس ہے۔''[32] میرا اندازہ ہے کہ یہ رسالہ مذکورہ بالا رسالۂ علمِ ریاضی منظوم کے علاوہ ہے۔ اس کے لیے میرے پاس

تین دلیلیں ہیں: اوّل یہ کہ رسالۂ علمِ ریاضی منظوم نثر کے بجائے مثنوی کی ہیئت میں ہے اور منظوم رسالے کا ''لائقِ درسِ مدارس'' ہونا متصور نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ زمانۂ قدیم میں نصاب ناموں کا رواج عام تھا اور نظم کے ذریعے بچوں کو تعلیمی نکتے ذہن نشین کرائے جاتے تھے، تو صنعتؔ کے منظوم رسالۂ ریاضی پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ مذکورہ نصاب نامے مختصر اور چھوٹے بچوں کے لیے ہوتے تھے جن میں زبانوں اور حساب یا سیاق کے ابتدائی اسباق یا کلیے آسان زبان میں نظم کیے جاتے تھے۔ حساب میں عام طور پر پہاڑے اور جمع، تفریق، تقسیم کے ابتدائی کلیے نظم کے ذریعے بچوں کے ذہن نشین کرائے جاتے تھے۔ اس کے مقابلے میں صنعتؔ کا مذکورہ بالا رسالۂ حساب منظوم ۷۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی زبان ایسی بھی آسان نہیں کہ مبتدی یا بچے اس سے کما حقہٗ مستفید ہو سکیں۔ اس کے اُسلوب، بیان اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ صنعتؔ نے یہ منظوم رسالہ تدریس کے لیے سے نہیں، بل کہ اپنی سخن طرازی اور علمِ سیاق یا حساب میں اپنی مہارت کا اظہار کرنے کے مقصد سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس منظوم رسالے کی تخلیق کا کوئی اَور مقصد سرِ دست واضح نہیں۔

دوسرے، اگر یہ منظوم رسالہ لائقِ درس ہوتا تو یقینی طور پر نثر میں ہوتا اور مطبوعہ بھی ہوتا۔ جس وقت یہ رسالہ تحریر کیا گیا (۱۲۳۸ء/ ۱۸۲۳ء)، اُس وقت اُردو کتابوں کی طباعت کے لیے سہولیات عام نہیں تھیں، اس لیے طالب علموں کو نصابی کتابیں ضرورت کے تحت نقل کرنی یا کرانی پڑتی تھیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ۷۹ صفحات پر مشتمل منظوم رسالۂ سیاق کا ایک طالب علم کو نقل کرا کر درس کرانا عجیب، ناقابلِ عمل اور نامناسب لگتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو فطری طور پر صنعتؔ کے مذکورہ منظوم رسالۂ ریاضی کی صرف ایک نقل یا قلمی نسخہ محفوظ نہ ہوتا، بل کہ اس کی ایک سے زیادہ نقلیں تیار ہوتیں اور محفوظ بھی ہوتیں لیکن موجودہ معلومات کی رُو سے تو اس رسالے کی وہی ایک نقل یا نسخہ محفوظ ہے جس کا ذکر اوراقِ گزشتہ میں ہوا ہے۔

تیسرے، یہ منظوم رسالہ اگر درس میں شامل ہوتا تو یقینی طور پر معروف بھی ہوتا اور آسانی کے ساتھ میسّر بھی آتا، چناں چہ کُلّیاتِ صنعتؔ کے مرتّب یا مرتّبین کے پیشِ نظر بھی ہوتا اور منظوم ہونے کی وجہ سے وہ اسے کُلّیاتِ صنعتؔ میں شامل بھی کرتے۔ اس منظوم رسالے کا صنعتؔ کے شعری کُلّیات میں شامل نہ ہونا واضح کرتا ہے کہ یہ کُلّیاتِ صنعتؔ کی ترتیب اور 'خاتمۃ الطبع' کی تحریر کے وقت مرتّب/مرتّبینِ کُلّیات کے پیشِ نظر نہیں تھا، چناں چہ ''کُلّیاتِ صنعت'' کے 'خاتمۃ الطبع' میں صنعتؔ کے جس رسالۂ سیاق کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یقینی طور پر مذکورۂ بالا منظوم رسالۂ ریاضی نہیں ہے، بل کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رسالہ ہے جو سرِ دست ہماری معلومات کی حد تک نایاب ہے۔

ج۔ مثنوی:

کُلّیاتِ صنعتؔ میں ایک طویل مثنوی بھی شامل ہے۔ یہ ضخیم مثنوی علاحدہ تصنیف کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے اس کا

ذکر علاحدہ کیا گیا ہے۔

کُلّیاتِ صنعتؔ میں یہ مثنوی کُل ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کُلّیات کے صفحہ ۲۵۳ تا ۳۰۶ پر درج ہے۔ مثنوی پر کوئی عنوان قائم نہیں کیا گیا۔ یہ ایک رومانوی عشقیہ مثنوی ہے۔ اس میں جو قصہ بیان ہوا ہے، اُس کے مرکزی کردار شاہ زادہ جواں بخت، بہرام شاہ، سلطان النسا، وغیرہ ہیں۔ مثنوی کا آغاز روایتی طور پر حمد و نعت سے ہوا ہے، اس کے بعد چار اشعار کی مناجات ہیں، پھر قصّے کا آغاز ہوتا ہے۔ صنعتؔ نے یہ مثنوی مرزا گوہر بخش کی فرمائش پر لکھی، جیسا کہ وہ آغازِ قصہ میں سببِ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ میرے آشنا ہیں اِک مغل زا — ہے گوہر بخش بے شک نام اُن کا
کہا مجھ سے ز راہِ مہربانی — کہ موزوں کر نئی کوئی کہانی
بہ موجب اُن کی فرمائش کے ناچار — بکے ہیں اور لکھے ہیں چند اشعار [۳۳]

اس مثنوی میں صنعتؔ کا وہ ترجیع بند بھی شامل ہے جو ''کُلّیاتِ صنعتؔ'' کے حصۂ اُردو غزلیات میں صفحہ ۲۱۸ تا ۲۲۳ پر بھی درج ہے۔ مثنوی میں یہ ترجیع بند تقریباً آخری حصے میں صفحات ۲۹۳ تا ۲۹۷ پر درج ہے۔

یہ مثنوی بحرِ ہزج تین رکنی (مفاعلین مفاعلین فعولن/فعولان) کے وزن پر ہے۔ صنعتؔ نے حمد میں ۵۲ اور نعت میں ۱۳ شعر کہے ہیں۔ مناجات بہت مختصر ۴/اشعار کی ہے جس میں خدا سے فضل اور ''شیطانِ لعین'' سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ''آغازِ داستان'' کے ابتدائی بارہ اشعار میں سببِ تالیفِ قصہ ہے۔

د۔ دیوانِ مخمسات:

کریم الدین صنعتؔ کی ایک منفرد پہچان جہاں اُن کی علمِ سیاق یا حساب پر کامل دست گاہ ہے، وہیں شاعری میں اُن کی انفرادیت اُن کا دیوانِ مخمسات ہے۔ صنعتؔ نے اگرچہ یہ دیوان علاحدہ ترتیب نہیں دیا اور نہ کسی اَور ذریعے سے اس دیوان کی موجودگی کا پتا چلتا ہے لیکن ''کُلّیاتِ صنعتؔ'' کا کم و بیش نصف حصہ تضمینات یا مخمسات پر مشتمل ہے اور بجائے خود مکمل دیوان کی حیثیت رکھتا ہے، ''دیوانِ مخمساتِ صنعتؔ''۔ تضمینات کی یہ کثیر تعداد جتنے صفحات میں آئی ہے، صنعتؔ کی اُردو غزلیات اور مثنوی کے مجموعی صفحات بھی اس سے کم ہیں۔ صنعتؔ کے تضمینی مخمسات، کُلّیات کے صفحہ ۱۰۳ تا ۲۵۰ پر درج ہیں۔

اُردو شاعری کی تاریخ میں کسی شاعر نے اتنی کثیر تعداد میں تضمینی مخمس نہیں کہے ہوں گے جتنے صنعتؔ کے کُلّیات میں شامل ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں تضمینی مخمس کہنے پر صنعتؔ کو 'شاعرِ مخمسات' کا لقب دینا بجا ہے۔ تسلیمؔ سہسوانی نے بھی صنعتؔ کے ایک قطعۂ تاریخِ وفات میں اُنھیں 'اوستادِ خمسہ کا' کہا ہے اور صحیح کہا ہے۔ کُلّیاتِ صنعتؔ میں صنعتؔ کے کُل ۱۲۶ مخمسات کتاب کے ۱۴۳ صفحات میں درج ہیں اور یہ تقریباً سارے کے سارے تضمینی مخمس ہیں۔ ان کی ردیف وار تعداد درج ذیل ہے:

ا	۱۷	د	۳	ل	۲
ب	۲	ذ	۱	م	۳
ت	۱	ر	۳	ن	۱۱
ث	۱	ز	۱	و	۴
ج	۱	س	۱	ہ	۲
ح	۱	ش	۱	ی	۴۳
خ	۱	ک	۱		

صنعتؔ نے یہ مخمسات اپنے دور اور ماقبل کے اہم و غیر اہم شاعروں کی غزلوں پر کہے۔ ان میں سے معروف اور مشہور شاعر درج ذیل ہیں:

میرؔ، سوداؔ، دردؔ، سوزؔ، مصحفیؔ، قائمؔ، جرأتؔ، انشاؔ، نظیرؔ، ناسخؔ، آتشؔ، ظفرؔ، غمگینؔ، ذکیؔ، راسخؔ، رندؔ، ذوقؔ، شہیدیؔ، عیشؔ، برقؔ۔

ان کے علاوہ صنعتؔ نے کچھ ایسے شاعروں کی غزلوں پر بھی خمسے کہے جو عام طور پر غیر معروف ہیں، بل کہ ان میں سے بعض گم نام ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض شاعروں کا کلام صنعتؔ کے تضمینی مخمسات کے ذریعے محفوظ ہو گیا ہے، ورنہ اُن کے نام یا کلام یا دونوں سے تواریخ ادب خالی نظر آتی ہیں۔ ایسے کم معروف اور گم نام شاعر درج ذیل ہیں:

اخترؔ، بیمارؔ، تپاںؔ، جودتؔ، حرماںؔ، حیرانؔ، دلؔ، رقتؔ، سعیدؔ، سوزاںؔ، شررؔ، شمیمؔ، صاحب قرانؔ، طالبؔ، طورؔ، ظہورؔ، عارفؔ، عشرتؔ، غافلؔ، قدرتؔ، قرارؔ، کشتہؔ، گوہرؔ، مجبورؔ، محنتؔ، مخلصؔ، مفتونؔ، منتؔ، مہدیؔ، نجفؔ، نکہتؔ، ہادیؔ۔

صنعتؔ نے سب سے زیادہ تضمینی مخمس جرأتؔ کی غزلوں پر کہے۔ اُن کے دیوانِ مخمسات میں جرأتؔ کی غزلوں پر کہے گئے تیئیس (۲۳) تضمینی مخمس موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دیوان میں خود صنعتؔ کے اپنے یا اپنی غزلوں پر کہے ہوئے چھے (۶) مخمس بھی شامل ہیں۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ صنعتؔ نے بیش تر مخمس لکھنوی شعرا کی غزلوں پر کہے ہیں۔

ہ۔ دیوانِ صنعتؔ:

صنعتؔ کی منظوم تصانیف کُلّیاتِ صنعتؔ میں جمع کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے مثنوی اور دیوانِ مخمسات کا ذکر ہو چکا۔ ان کے علاوہ کُلّیاتِ صنعتؔ میں جتنا کلام شامل ہے، اُسے دیوانِ صنعتؔ کہنا چاہیے۔ کُلّیاتِ صنعتؔ میں ایسے کلام کی تفصیل درج ذیل ہے:

(i) اُردو غزلیات: صنعتؔ کی اُردو غزلیات کُلّیات کے صفحہ ۱ تا ۱۰۲ پر ہیں۔ ان ۱۰۲ صفحات میں کُل ۲۳۹ غزلیات شامل ہیں جن کی ردیف وار تعداد یوں ہے:

ا	۳۵	خ	۳	ش	۴	م	۴
ب	۸	د	۷	ص	۲	ن	۲۹
ت	۹	ذ	۱	ط	۳	و	۱۲
ٹ	۲	ر	۱۹	ف	۳	ہ	۷
ث	۱	ڑ	۲	ق	۲	ی	۶۷
ج	۲	ز	۱	ک	۵		
ح	۱	س	۳	ل	۷		

(ii) مثلّث: اس کے بعد صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ پر ایک مثلّث ہے جو ناسخ کی غزل پر کہا گیا ہے۔

(iii) ترجیع بند مسدّس: مثلّث کے بعد دیوان مخمسات ہے۔ اسی میں پانچ (۵) ترجیع بند مسدّس بھی شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مسدّس دیوان کا حصہ ہیں، نہ کہ دیوانِ مخمسات کا۔ ان کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ ترجیع بند مسدّس ۱: ۶ بند صفحاتِ کُلّیات ۱۰۴، ۱۰۵۔
۲۔ ترجیع بند مسدّس ۲: ۹ بند صفحاتِ کُلّیات ۱۴۱، ۱۴۲۔
۳۔ ترجیع بند مسدّس ۳: ۹ بند صفحاتِ کُلّیات ۱۵۴ تا ۱۵۶۔
۴۔ ترجیع بند مسدّس ۴: ۷ بند صفحاتِ کُلّیات ۱۹۳، ۱۹۴۔
۵۔ ترجیع بند مسدّس ۵: ۹ بند صفحاتِ کُلّیات ۲۱۸ تا ۲۲۳۔

ان میں سے آخری ترجیع بند وہی ہے جو مثنوی میں بھی نقل ہوا ہے۔

(iv) غزلیاتِ فارسی: مخمسات کے خاتمے پر کُلّیاتِ صنعتؔ میں فارسی غزلیات ہیں۔ یہاں صنعتؔ کی کل سات فارسی غزلیات صفحات ۲۵۰ تا ۲۵۲ میں شامل ہیں۔

صنعتؔ نے اپنی حینِ حیات اپنا کوئی مجموعۂ کلام ترتیب دیا اور نہ شائع کیا۔ کم سے کم اس بارے میں کسی قسم کی معلومات نہیں ملتیں۔ صنعتؔ کی وفات (۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء) کے تیس سال بعد اُن کی کُلّیاتِ نظم شوال ۱۲۹۴ھ مطابق اکتوبر ۱۸۷۷ء میں مطبعِ منشی نول کشور، لکھنؤ سے کُلّیاتِ صنعتؔ کے عنوان سے شائع ہوئی۔ کلامِ صنعتؔ کی یہ واحد معلومہ اشاعت ہے۔ یہی اس کی پہلی اور آخری اشاعت بھی ثابت ہوئی۔ فی الوقت مجھے کُلّیاتِ صنعتؔ کی اس اشاعت کے چار نسخوں کی موجودگی کا علم ہے۔ ان میں سے ایک نسخہ انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، کراچی کے کتب خانۂ خاص میں ہے۔ یہ وہی نسخہ ہے جس سے افسر امروہوی صدیقی نے صنعتؔ کے منظوم رسالۂ ریاضی کے ذکر میں استفادہ کیا ہے۔ دوسرا نسخہ لاہور کے سرکاری کتب خانے ''پنجاب پبلک لائبریری'' میں محفوظ ہے [۳۴]۔ تیسرا نسخہ اُردو کی نہایت اہم ویب

گاہ ’ریختہ‘ کے برقی کتب خانے کا حصہ ہے،[۳۵] جب کہ چوتھا نسخہ راقم الحروف کی ملکیت میں تھا جو اب مُشفِق خواجہ مرحوم کے ذخیرۂ کتب، کراچی کا حصہ ہے۔

(۳)

شیخ کریم الدین صنعتؔ مرادآبادی کے کُل کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کُلّی طور پر یا باقاعدہ شاعر نہیں تھے، بل کہ اُس دور کے دیگر اہلِ ذوق کی طرح اُنھیں بھی شاعری سے طبعی مناسبت تھی، لیکن اُنھوں نے ’کُل وقتی‘ شاعروں کی طرح دیوان نہیں ترتیب دیے، مشاعروں میں شرکت نہیں کی، شاعری میں شاگرد نہیں پیدا کیے اور کبھی اپنے کلام کی ترتیب و اشاعت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ان سب باتوں (خاص طور پر مشاعروں میں شرکت نہ کرنا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ صنعتؔ کا شعری ذوق تو مسلّم ہے لیکن وہ کُل وقتی شاعروں کے قبیلے سے تعلق نہیں رکھتے تھے جو مشاعروں اور مجلسوں کے رسیا اور استادی شاگردی کے سلسلے کے محافظ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صنعتؔ کو شروع ہی سے وہ شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو اُن کے دور میں دیگر شعرا کو حاصل تھی۔

اس اَمر کا ایک ثبوت یہ ہے کہ صنعتؔ کا ذکر سب سے پہلے نواب محمد مصطفی خاں شیفتہؔ نے اپنے تذکرے گلشنِ بے خار میں کیا ہے[۳۶] جو ۱۲۵۰ھ (مطابق ۳۵-۱۸۳۴ء) میں مکمل ہوا[۳۷]۔ گویا شیفتہؔ نے صنعتؔ کا ذکر جب اپنے تذکرے میں داخل کیا، اُس وقت صنعتؔ تقریباً ۶۰ سال سے زائد کے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ شیفتہؔ، صنعتؔ کو جانتے تھے، تبھی تو اُنھوں نے لکھا کہ صنعتؔ کئی بار دہلی آئے ہیں لیکن اُن سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اگر شیفتہؔ، صنعتؔ کو نہ جانتے ہوتے تو ممکن ہے ان کا ترجمہ بھی اپنے تذکرے میں شامل نہ کرتے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صنعتؔ شاعر کے طور پر زیادہ مشہور نہ تھے۔ اسی وجہ سے اُن کا ترجمہ معاصر تذکرہ نویسوں نے اپنے اپنے تذکروں میں درج نہیں کیا، یہاں تک کہ اُن کے استاد میر قدرت اللہ شوقؔ نے بھی اپنے تذکرے تذکرۂ طبقات الشّعرا میں صنعتؔ کا ذکر نہیں کیا۔ چلیں شوقؔ کو تو ہم یہ رعایت دے سکتے ہیں کہ اُن کا تذکرہ چونکہ ۱۲۰۹ھ (مطابق ۹۵-۱۷۹۴ء) میں مکمل ہو چکا تھا اور اُس وقت صنعتؔ کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی، اس لیے ممکن ہے کہ شوقؔ اُنھیں نو آموز شاعروں میں بھی جگہ دینے کے قابل نہ سمجھتے ہوں لیکن اُردو کے تین ضخیم ترین تذکروں: مجموعۂ نغز (تکمیل ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۷ء)، عمدۂ منتخبہ (تکمیل ۱۴-۱۲۱۶ھ مطابق ۱۰-۱۸۰۱ء)[۳۸] اور عیار الشّعرا (تکمیل ۱۲۴۹ھ، مطابق ۱۸۳۳ء)[۳۹] میں صنعتؔ کا ذکر نہ ہونا بہت کچھ واضح کرتا ہے، جب کہ ان ضخیم تذکروں میں صفِ اوّل کے ساتھ ساتھ صفِ دوم و سوم و چہارم تک کے ہزاروں شاعروں کا ترجمہ و نمونۂ کلام موجود ہے۔

ان سارے شواہد سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ صنعتؔ اگرچہ پورے شاعر تھے لیکن اُنھوں نے کُل وقتی شاعروں کی

طرح دیوان نہیں ترتیب دیے، نہ مشاعروں میں شرکت کی اور نہ اپنی شعری ذات کی تشہیر کے لیے شاگردوں کی فوج تیار کی۔ اُنھوں نے اپنے تخلیقی وفور سے مجبور ہو کر شاعری کی لیکن اسے وجہِ شہرت بنانے کی شعوری کوشش نہیں کی۔ اسی وجہ سے وہ مشاعروں سے دُور رہے، شاعروں سے میل ملاپ نہ رکھا اور اپنے کلام کی اشاعت اور تشہیر سے بھی کوئی واسطہ نہ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرہ نگاروں نے اُنھیں نظر انداز بھی کیا۔ اس میں زیادہ قصور خود صنعتؔ کا ہے۔ ممکن ہے کہ تذکرہ نگار اُن کی شعری شخصیت سے واقف ہی نہ ہوں، ورنہ اُن کا ذکر اپنے تذکروں میں ضرور کرتے، جیسے کہ شیفتہؔ ان سے واقف تھے، اس لیے ان کا ترجمہ اور نمونۂ کلام اپنے تذکرے میں شامل کیا۔

کُلّیاتِ صنعتؔ کی اشاعت کے بعد جن تذکرہ نگاروں نے صنعتؔ کا ذکر اپنے تذکروں میں درج کیا ہے، ان میں سے بیش تر نے سیدھے سبھاؤ شیفتہؔ کے تذکرے ہی سے خوشہ چینی کر کے کام نکال لیا ہے۔ کسی نے صنعتؔ کے حالات اور کلام کی تحقیق کر کے صحیح صحیح حالات اور کلام درج کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

تمام تذکرہ نگاروں نے صنعتؔ کو قدرت اللہ شوقؔ رام پوری کا شاگرد تحریر کیا ہے، جب کہ افسر صدیقی امروہوی نے اُنھیں شیخ مہدی علی ذکیؔ مرادآبادی کا شاگرد تحریر کیا ہے[۴۰] لیکن اس کے لیے حسبِ عادت کوئی شہادت، حوالہ یا دلیل پیش نہیں کی، اس لیے اُن کا بے دلیل دعویٰ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

صنعتؔ نے کس عمر میں شاعری شروع کی اور شوقؔ کی شاگردی کب اختیار کی، اس بارے میں کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے، البتہ کچھ حقائق کی مدد سے اندازے قائم کیے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا کہ قدرت اللہ شوقؔ نے صنعتؔ کا ذکر اپنے تذکرے میں نہیں کیا اور یہ کہ شوقؔ کا تذکرہ طبقات الشّعرا ۱۲۰۹ھ (مطابق ۹۵-۱۷۹۴ء) میں مکمل ہو چکا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ۱۲۰۹ھ تک صنعتؔ نے ابھی شاعری شروع نہیں کی تھی اور اگر شروع بھی کی تھی تو وہ ابھی اس قابل نہیں تھے کہ قدرت اللہ شوقؔ اُنھیں نوآموز شاعروں میں ہی شامل کر لیتے، حال آں کہ نوآموز شعرا کا ذکر کرنے کے لیے شوقؔ نے اپنے تذکرے کا ایک حصہ مخصوص کر رکھا تھا۔ ۱۲۰۹ھ میں صنعتؔ کی عمر ۲۲ سے ۳۰ سال کے درمیان تھی۔

۱۲۳۷ھ (مطابق ۲۲-۱۸۲۱ء) میں صنعتؔ نے طویل مثنوی کہی، جب کہ اگلے سال ۱۲۳۸ھ (مطابق ۲۳-۱۸۲۲ء) میں ریاضی کا رسالہ منظوم لکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۳۷ھ تک صنعتؔ کی مشقِ شاعری اس قدر مستحکم ہو چکی تھی کہ وہ ایک رواں، مسلسل اور اچھی مثنوی کہہ سکیں۔ اس مشقِ سخن کا عرصہ اگر بیس سے پچیس سال بھی فرض کر لیا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ۱۲۱۲ھ تا ۱۲۱۷ھ (مطابق ۹۸-۱۷۹۷ء تا ۰۳-۱۸۰۲ء) کے دوران صنعتؔ نے شاعری شروع کی ہوگی جب کہ اُن کی عمر ۲۵ تا ۳۲ سال کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شوقؔ کے تذکرے طبقات الشّعرا کی تکمیل ۱۲۰۹ھ کے آس پاس ہی صنعتؔ نے شاعری شروع کی ہو۔ بہ ہر حال، اُنھوں نے جب بھی شاعری کا آغاز کیا ہو، وہ چوں کہ پیشہ ور یا کُل وقتی شاعر نہیں تھے، اس لیے اُن کی مشقِ سخن آہستہ رَو رہی۔

صنعتؔ اوسط درجے کے شاعر تھے۔ ذوقِ سخن اور سخن طرازی میں البتہ وہ پیٹے نہ تھے۔ اُن کا کلام دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعر گوئی میں سادگی و سلاست، تسلسلِ بیان، موزونیٔ الفاظ اور چاشنی کی صفات ان کا خاصّہ ہیں، البتہ تازگی، انفرادیت، مضمون آفرینی اور صنائع بدائع کے استعمال کے معاملے میں اُنھیں دوسرے یا تیسرے درجے کا شاعر کہا جاسکتا ہے۔ صنعتؔ کے رنگِ سخن پر لکھنوی دبستان کے اثرات زیادہ ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اُنھوں نے بیش تر مخمسات بھی لکھنوی شعرا یا لکھنوی رنگ کے شاعروں کی غزلوں پر کہے۔ صنعتؔ کے کلام کی اہمیت ایک تو مخمسات کی وجہ سے ہے اور دوسرے ریاضی وحساب کے مضامین کو منظوم کرنا ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ صنعتؔ کا غزلیہ کلام کسی قابل نہیں۔ دوسرے درجے کے شعرا کی طرح اُن کے کلام میں بھی ایسے اشعار مل جاتے ہیں جو دل کو کھینچتے ہیں اور واہ واہ کرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔

صنعتؔ کی شاعری پر بھی تذکرہ نگاروں نے عام طور پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ لے دے کے صرف امیر مینائی نے اُن کے کلام پر رائے دی ہے اور وہ بھی بہت سرسری۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''شاعرِ رنگین طبیعت و صاحبِ ذوق تھے۔''[۱۴] ظاہر ہے کہ اس رائے سے صنعتؔ کے رنگِ سخن کے متعلّق کوئی اندازہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیفتہؔ و امیر بھی صنعتؔ کو دوسرے، بل کہ تیسرے درجے کا شاعر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیفتہؔ نے تو صنعتؔ کی شاعری کے بارے میں کسی رائے کا اظہار ہی نہیں کیا، جب کہ امیر مینائی نے اُنھیں محض ''رنگین طبیعت'' اور ''صاحبِ ذوق'' شاعر کہہ کر جان چھڑالی ہے۔

اس تمام بحث اور مندرجات سے واضح ہوتا ہے کہ کریم الدین صنعتؔ علمِ سیاق کے عالم اور ایک مشّاق شاعر تھے۔ ان دونوں حیثیتوں میں ان کی تصانیف اس دعوے کی تائید کرتی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی شعری حیثیت کو اہمیت نہیں دی، اس لیے بطور شاعر وہ زیادہ مشہور نہ ہوسکے۔

(۴)

انتخابِ کلامِ صنعتؔ

یوں تو ہر شے میں ہے ظہور اُس کا ۔۔۔ پر محمدؐ فقط ہے نُور اُس کا
دَور دَوری ہوا ہے صنعتؔ کو ۔۔۔ پاس آکیجیے درد دُور اُس کا
قاتل کی اپنے، سُرمئی آنکھوں کو دیکھ کر ۔۔۔ یک لخت بند ہوگئی نخچیر کی صدا
اللہ اکبر! ایسا ہے صیّاد کم سخن ۔۔۔ جو وقتِ ذبح بھی نہیں تکبیر کی صدا
تیر نگہ میں اُس کے نہ آواز، نے نشاں ۔۔۔ معیوب ہے جو تو دے پہ ہو تیر کی صدا
آیا وہ پوچھنے مجھے، تُو نے بیزار حیف! ۔۔۔ سینے سے لب تک آنے میں تاخیر کی، صدا
کہتا ہوں کچھ نکلتا ہے کچھ، اُس کے رُو بہ رُو ۔۔۔ ہو ڈر سے جیسے صاحبِ تعزیر کی صدا

صنعتؔ! تمھارے نالوں سے ہم سارے تنگ ہیں
دل گیر سب کو کرتی ہے دل گیر کی صدا

مقابلہ کیا خسرو سے، بَل بے او فرہاد!
طریقِ عشق میں تو دل پہاڑ کر بیٹھا

یہ لختِ دل نہیں مژۂ خوں بار پر چڑھا
دل دار کے لیے ہے دل، دار پر چڑھا

دیکھے سے جس کے لاکھوں گریباں ہیں تار تار
کیسا یہ رنگ ہے تری دستار پر چڑھا

مسجد میں، بُت کدے میں، حرم میں، حریم میں
دیکھا جو غور سے تو اُسی کا ظہور تھا

صنعتؔ! یہ ہے غضب کہ تُو طالب ہے دید کا
وھاں لن ترانی سُن کے جلا کوہِ طُور تھا

جس کو دیکھا وہ گلا کاٹ کے خود آپ مُوا
میں تیری چشمِ فسوں ساز کو رَہ زن سمجھا

وبالِ جان ہوئی مانی کو کھینچنی تصویر
نہ زُلف کھنچ سکی اس کی سر اپنا مار رہا

تڑپنا، رونا، بُکا کرنا، در بہ در پھرنا
تمھارے غم میں یہی ہم کو کاروبار رہا

دل سے ہزار طرح کا انکار ہے اُسے
کرتا ہے گرچہ منہ سے وہ اقرار، کیا ہوا

عالم کو تیرے دیکھ کے عالم کہے ہے یوں
اب تو وہ شوخ ساختہ پن سے نکل گیا

گو میں نے آگے نل سے، قدم عشق میں رکھا
پر وہ بھی اب تو حسنِ دَمَن سے نکل گیا

گُل، دیکھ تیرے حسن کا عالم، خفیف ہو
کر چاک پیرہن وہ چمن سے نکل گیا

کیوں نہ شعر اُن کا خوب ہو صنعتؔ
جن کو ہے حق نے خوش معاش کیا

آویں گے آج آپ کہ کل، صبح و شام، کب؟
ہو منتظر یہ آپ کا، صاحب! غلام کب؟

بیمارِ عشق کو ترے، اپنے بگانے سب
کہتے ہیں: یا الٰہی! یہ ہوگا تمام کب؟

آزادگی بھی ہوتی ہے اکثر وبالِ جاں
پَر ہوں نہ مرغ کے تو ہو محبوسِ دام کب

افواجِ آہ و نالہ و افغاں نہ ہو اگر
ملکِ جنوں کا ہو سکے پھر انتظام کب

دیکھی جو تری چشم تو اے یار! عصا لے
نرگس ہے کھڑی ضُعف سے بیمار کی صورت

درد و غم و اندوہ جو ہم بزم تھے صنعتؔ
سب اُڑ گئے دیکھ اُس میرے غم خوار کی صورت

اجی! آپ کا ہے وہ قامت قیامت
کہ کھنچے ہے جس سے ندامت قیامت

نہیں ہے قصد اگر تم کو میرے شب خون کا
چبائے تم نے مَسّی مَل کے پان، کیا باعث؟

عیسٰی سے بھی نہ ہووے جس آزار کا علاج
پھر کیوں کے کر سکے ترے بیمار کا علاج

میں آپ تیری چشم کا بیمار ہوں، بھلا
بیمار کیوں کے کر سکے بیمار کا علاج
صنعتؔ کو بھی شاگرد کر اے عشق کہ تو ہی
مجنوں کا اتالیق ہے، فرہاد کا اُستاد

دربار میں نہیں ہے ترے بار، بار بار
کرتے ہیں پھرے آن میں لاچار، چار چار[کذا]
دستارِ شیخ جی کہیں اُس کی نظر پڑی
کرتے ہو یہ جو جبّہ و دستار تار تار
وہ خانۂ خدا دلِ عشاق اُس کے تیں
غم نے تمہارے کر دیا مسمار مار مار
ملتا نہیں وہ مجھ سے تو ناچار جا بہ جا
کرتا ہوں دردِ دل کو میں اظہار بار بار
صنعتؔ کو غم میں دیکھ کے اُس گل بدن کے، رات
شبنم بھی رو رہی تھی، یہ گل زار زار زار

یہ خاک سار ہوا گردِ راہ، تس پر بھی
مٹا نہ آپ کے دل سے کبھی غبار افسوس!
ہزار حیف! یہی منصفی ہے اے صیّاد؟
اسیرِ دام ہو بلبل، لٹے بہار، افسوس!

حور و پری، ملائک، غلمان و انس و جاں تک
ہے شیفتہ اُسی کا سب، ہے جہاں جہاں تک
ہوش و قرار، طاقت، تاب و خرد، تواں تک
رخصت طلب ہے ہم سے فرقت میں، بل کہ جاں تک
اے عشق! لامکاں کا ہر اک مکاں مکاں ہے
لوح و قلم سے لے کر اور عرش و لامکاں تک
شب خون اُس نے مارا لُوٹا دھڑی دھڑی کر
آراستگی کی نوبت پہنچی مسّی و پاں تک

حشر میں شاید نہ دست آویز ہو
اِس لیے ہاتھوں پہ گُل کھاتے ہیں ہم
یاد آتا ہے کوئی دم میں یہاں
دل کو یہ دم دے کے بہلاتے ہیں ہم
رشتۂ اُلفت کی یہ تاثیر ہے
وہ ہمارے، اُن کے کہلاتے ہیں ہم

وہ زُلفوں کو سلجھا کے کیا باندھتے ہیں
مرے دل کو اُس میں گویا باندھتے ہیں
ادا شاعری کو نہیں اس میں ہوتی
و لیکن ہم اُس کی ادا باندھتے ہیں
نہیں غیر تیرے ہوا، خواہ لیکن
وہ لوگوں میں اپنی ہوا باندھتے ہیں
کہاں مشکِ تاتار اور زُلف اُس کی
سب اُس کو ز راہِ خطا باندھتے ہیں
جو دیکھو تو عیب اُن کا کھلتا ہے آخر
جو مضمون شاعر بندھا باندھتے ہیں
عجب منصفی شاعروں کی ہے یہ تو
نیاز اپنا، اُس کی جفا باندھتے ہیں
وہ مطعون ہو کر بھی ملتا ہے اُن سے
یہ تِس پر اُسے بے وفا باندھتے ہیں

حواشی:

[نوٹ:۔مبادلۂ سنین کے لیے ضیاالدین لاہوری کی مؤلفہ جوہرِ تقویم (طبعِ اوّل) سے مدد لی گئی ہے۔]

۱۔ تذکرۂ خوش معرکہ زیبا، جلد اوّل، ص ۳۱، ۳۲

۲۔ اِنتخابِ یادگار، طبقۂ دوم، ص ۲۰۳

۳۔ ''مقدمہ'' تذکرۂ طبقات الشّعرا، ص ۳۱

۴۔ اِنتخابِ یادگار، طبقۂ دوم، ص ۲۰۳

۵۔ تذکرۂ خوش معرکہ زیبا، جلد اوّل، ص ۳۱

۶۔ اِنتخابِ یادگار، دیباچۂ مصنّف، ص ۸

۷۔ تذکرۂ نسخۂ دل کشا، ص ۱۲۴

۸۔ اِنتخابِ یادگار، طبقۂ دوم، ص ۲۰۳

۹۔ کُلّیاتِ صنعتؔ، ''خاتمۃ الطبع''، ص ۳۰۷

۱۰۔ گلشنِ بے خار، ص ۳۱۳

۱۱۔ اِنتخابِ یادگار، طبقۂ دوم، ص ۲۰۳

۱۲۔ ''حساب، حساب کے قاعدے'' [فرہنگِ آصفیہ، جلد دوم، ص ۱۲۲۹]

۱۳۔ کُلّیاتِ صنعتؔ، ''خاتمۃ الطبع''، ص ۳۰۷۔

۱۴۔ یہ قلمی نسخہ انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر افسر صدیقی امروہوی نے مخطوطاتِ انجمنِ ترقّیِ اردو کی وضاحتی فہرست، جلد سوم میں کیا ہے، (ص ۳۴)۔

۱۵۔ کُلّیاتِ صنعتؔ، ''خاتمۃ الطبع''، ص ۳۰۷۔

۱۶۔ مخطوطاتِ انجمنِ ترقّیِ اُردو، جلد سوم، ص ۳۴۔

۱۷۔ اخبار الصّنادید، جلد اوّل، ص ۶۷۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۹۷

۱۹۔ اِنتخابِ یادگار، طبقۂ اوّل، صفحات ۲۲، ۳۷

۲۰۔ اخبار الصّنادید، جلد اوّل، صفحات ۵۹۸، ۵۹۹

۲۱۔ اِنتخابِ یادگار، دیباچۂ مصنّف، ص ۷

۲۲۔ گلشنِ بے خار، ص ۳۱۳

۲۳۔ طبقاتِ شعرائے ہند، متن، ص ۳۷۴

۲۴۔ تذکرۂ نسخۂ دل کشا، ص ۱۲۴

۲۵۔ انتخابِ یادگار، طبقۂ دوم، ص ۲۰۳

۲۶۔ ''مقدّمہ'' تذکرۂ طبقات الشّعرا، ص ۳۱

۲۷۔ کُلّیاتِ صنعتؔ، ''خاتمۃ الطبع''، ص ۳۰۷

تاریخ ثانی میں تعمیہ ہے۔ تیسرے مصرعے میں صاف بتایا گیا ہے کہ ''روے بُکا''، یعنی ''بُکا'' کے چہرے کے حروف مادۂ تاریخ میں

شامل کیے جائیں گے، چناں چہ ''بُکا'' کے چہرے، یعنی حرف ''ب'' کے دو عدد مادۂ تاریخ ۱۲۶۱ میں جمع کیے گئے تو مطلوبہ تاریخ کا عدد ۱۲۶۳ حاصل ہوا۔

۲۸۔ پورے مصرعے (''کہا مخزنِ کُلّیاتِ حبیب'') کے نیچے لکیر کھینچ کر تاریخ ''۱۲۳۸ھ'' لکھی گئی ہے، جب کہ ۱۲۳۸ کا ہندسہ مخزنِ کُلّیاتِ حسیب سے حاصل ہوتا ہے، ''کہا'' اس میں شامل نہیں۔ درست مادۂ تاریخ بھی یہی ہے۔

۲۹۔ ''اِسی طرح'' بروزنِ ''مفاعیل''۔ معلوم ہوتا ہے کہ صنعتؔ کے زمانے میں روہیل کھنڈ کے علاقوں (جن میں مُرادآباد اور رام پور بھی شامل تھے) میں ''طَرِ ح°'' کو ''طَرِ حِ'' پڑھا جاتا تھا۔

۳۰۔ یہ غالباً کتابت یا نقل کی غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مصرع یوں ہو:

بتا دے جو گِن کر اُسے تُو اے یار

۳۱۔ مخطوطاتِ انجمنِ ترقّیِ اُردو، جلد سوم، ص ۳۴

۳۲۔ کُلّیاتِ صنعتؔ، ''خاتمۃ الطبع''، ص ۳۰۷

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵۶، ۲۵۷

۳۴۔ منشی نول کشور نے اپنی تمام مطبوعات جن چند کتب خانوں کو عطیہ کی تھیں، اُن میں پنجاب پبلک لائبریری لاہور بھی شامل ہے۔ دیگر دو کتب خانوں میں آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اوکسفرڈ یونیورسٹی لندن کے ''انڈین انسٹی ٹیوٹ'' کا کتب خانہ شامل ہیں۔

۳۵۔ ملاحظہ کیجیے: www.rekhta.org/ebooks/kulliyat-e-sanat-karimudin-sanat-moradabadi-ebooks

۳۶۔ گلشنِ بےخار، ص ۳۱۳

۳۷۔ ایضاً، ص ۴۳

۳۸۔ اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۶۲۹

۳۹۔ ''مقدمہ'' عیارالشعرا، ص XIX

۴۰۔ مخطوطاتِ انجمنِ ترقّیِ اُردو، جلد سوم، ص ۳۴

۴۱۔ اِنتخابِ یادگار، طبقۂ دوم، ص ۲۰۳

فہرست اسنادِ محولہ:

۱۔ ارمانؔ، جنمے جے متر، تذکرۂ نسخۂ دل کشا [۱۲۷۱ھ/ ۵۵-۱۸۵۴ء]، مرتّب رئیس انور رحمن، کلکتہ، علمی مرکز، مئی ۱۹۷۹ء

۲۔ افسرؔ صدّیقی امروہوی: مخطوطاتِ انجمنِ ترقّیِ اُردو [۱۸۴۷ء]، جلد سوم، کراچی، انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، اشاعتِ اوّل، ۱۹۷۵ء

۳۔ امیرؔ مینائی، امیر احمد: اِنتخابِ یادگار [۱۲۹۰ھ/ ۷۴-۱۸۷۳ء] (عکسی اشاعتِ طبعِ اوّل)، لکھنؤ، اُتّر پردیش اُردو اکادمی، بارِ اوّل، ۱۹۸۲ء

۴۔ سیّد احمد دہلوی: فرہنگِ آصفیہ [۱۸۴۷ء]، جلد دوم، (عکسی اشاعتِ طبعِ اوّل)، دہلی، ترقّیِ اُردو بیورو، اشاعت سوم، ۱۹۹۰ء

۵۔ شیفتہؔ نواب محمد مصطفی خاں: گلشنِ بےخار [۱۲۵۰ھ/ ۳۵-۱۸۳۴ء]، مرتّب کلبِ علی خاں فائق، لاہور، مجلسِ ترقّیِ ادب، بارِ اوّل، اکتوبر ۱۹۷۳ء

۶۔ صنعتؔ مرادآبادی، شیخ کریم الدین: کُلّیاتِ صنعتؔ [۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء]، لکھنؤ، مطبعِ نامی منشی نول کشور، اشاعتِ اوّل، اکتوبر ۱۸۷۷ء/ شوال ۱۲۹۴ھ

۷۔ ضیاالدین لاہوری: جوہرِ تقویم [۱۹۹۴ء]، لاہور، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، اشاعتِ اوّل، ۱۹۹۴ء

۸۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری[۱۹۷۰ء]،کراچی، انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان، اشاعتِ دوم، ۱۹۹۸ء

۹۔ کریم الدین، مولوی: طبقاتِ شعراے ہند[۱۸۴۷ء]، (عکسی اشاعتِ طبعِ اوّل)، لکھنؤ، اُتّر پردیش اُردو اکادمی، اشاعتِ اوّل، ۱۹۸۳ء

۱۰۔ طارق حسن، سیّد محمد، سیّد نورالحسن نقوی: مقدّمہ[۲۰۱۱ء]عیار الشّعرا (از خوب چند ذکاؔ)، نئی دہلی، قومی کونسل براے فروغِ اُردو زبان، اشاعتِ اوّل، ۲۰۱۱ء

۱۱۔ ناصرؔ لکھنوی، سعادت خاں: تذکرۂ خوش معرکہ زیبا، [۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء]، جلد اوّل، مرتّب مشفق خواجہ، لاہور، مجلسِ ترقّیِ اَدب، اشاعتِ اوّل، اپریل ۱۹۷۰ء

۱۲۔ نثار احمد فاروقی: مقدّمہ[۱۹۶۷ء]تذکرۂ طبقات الشّعرا (از قدرت اللہ شوقؔ)، لاہور، مجلسِ ترقّیِ اَدب، اشاعتِ اوّل، جنوری ۱۹۶۸ء

۱۳۔ نجم الغنی رام پوری: اخبار الصّنادید، جلد اوّل[ستمبر ۱۹۱۱ء]، (عکسی اشاعتِ طبعِ اوّل)، لاہور، ملک بک ڈپو، اشاعتِ اوّل، نومبر ۱۹۹۸ء

Abstract

The life and works of poet KarimuddinSanatMuradabadi have little been discussed in Urdu literature except some brief accounts of his life and works are available to see. For the first time, this article attempts not only to scrutinize the contemporary sources for the poet's life particularly his date of birthand his friendship with Faizullah Khan, the Nawab of Rampur but it also reveals his number of works and where they are archived. The article examines the statement made by Ameer Minai and made it clear that the poet was too little to be befriended with Faizullah Khan when the later died the former was just 21 years old. The article is divided into three sections. The second section of the article gives details the of works of the poet.

Keywords: Karimuddin Sanat Muradabadi, Nawab Faizullah Khan of Rampur, Risala-e Siaq